پروفیسر علی محسن صدیقی

زوالِ خلافتِ عباسیہ کے اثرات

خلافتِ عباسیہ کا زوال کوئی معمولی حادثہ نہ تھا جس سے تاریخ کا طالب علم سرسری گزر جائے۔ یہ ایک خاندانِ حکومت کا زوال نہ تھا کہ خانوادہ ہائے حکومت کے عروج و زوال کی داستانوں سے کسی قوم یا ملک کی تاریخ خالی نہیں اور ایسا ہوتا کبھی موجبِ حیرت و استعجاب نہیں سمجھا گیا ہے۔ بلکہ آلِ عباس کا زوال اور بغداد کا سقوط ایک ملت کا زوال، ایک تہذیب کا اختتام اور ایک دَور کا خاتمہ تھا۔ تاتاریوں[1] کے ٹڈی دَل نے ایشیا کے وسیع و عریض خطوں کو پامال کر ڈالا، جدھر ان کا گزر ہوا تباہی اور بربادی کے ہولناک مناظر نگاہوں کے سامنے پھر گئے اور خاک و خون کے طوفان فضاؤں پر چھا گئے۔ چین کی عظیم شہنشاہیت ان وحشیوں کے ہاتھوں تہس نہس ہو گئی۔[2] خوارزم شاہیوں کی باجبروت سلطنت صفحۂ ہستی سے مٹ گئی۔[3] بخارا، سمرقند، نیشاپور، اصفہان اور رے کے بارونق شہر خاک کے تودوں میں تبدیل ہو گئے۔[4] ساحرالموت کا سحر ان کی تیغِ جہاں سوز سے ٹوٹا، اور یہ آشیانۂ عقاب اجڑ گیا۔[5] ستر لاکھ فرزندانِ توحید خاک و خون میں مل گئے اور شاید چشمِ فلک نے خونِ انسانی کی اتنی ارزانی اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی ہو۔ اور اس خونی ڈراما کا ڈراپ سین، جو دراصل ایک نئے المیہ کا افتتاحیہ تھا، اس وقت منظرِ عام پر آیا جب ہلاکو کے خونی دستے ہمدان کو پامال کرتے ہوئے دارالسلام، مدینۃ الاسلام بغداد کی جانب بڑھے، اور ۶۵۶ھ (مطابق ۱۲۵۸ء) میں قبۃ الاسلام گر گیا۔ بغداد کا عظیم الشان شہر وحشی تاتاریوں کے مقابلے کی تاب نہ لا سکا اور شہر کے دروازے پہلی بار ایک غیر مسلم حملہ آور کے لیے کھول دیے گئے۔ آخری عباسی خلیفہ امیر المومنین المستعصم باللہ اپنے بیٹوں اور علماء و عمائدین کی معیت میں سفید پرچمِ امن لیے ہلاکو کے لشکر گاہ میں داخل ہوا۔ خلیفۂ اسلام کی پذیرائی کے لیے ذلت و رسوائی آگے بڑھیں، اور قید و بند نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔[6] ہلاکو کے حکم سے بقیۃ السیوف علما کو مدرسہ مستنصریہ میں جمع کیا گیا اور ان کے

سامنے ایک فتویٰ پیش کیا گیا کہ ان دونوں میں سے کون بہتر ہے؟ کافر بادشاہِ عادل یا مسلم بادشاہِ ظالم۔ حالات سے مجبور ہو کر ان علما نے کافر بادشاہِ عادل یعنی ہلاکو کی فضیلت کا فتویٰ دیا۔ خلیفہ کے قتل اور خلافت کے انتزاع کا فیصلہ چنداں آسان نہ تھا، کہ یہ خیال عام تھا کہ اگر خلیفہ المستعصم باللہ کو قتل کیا گیا تو سورج تاریک ہو جائے گا اور دنیا تباہ ہو جائے گی۔ مگر اس عہد کے مشہور فلسفی اور عالم نصیر الدین طوسی نے، کہ ہلاکو کے مشیر تھے اور بغداد سے پہلے الموت کی پامالی میں نمایاں حصہ لے چکے تھے، اس خیال کی تغلیط کی اور ۴ صفر ۶۵۶ھ کو مستعصم باللہ قتل کر دیا گیا۔ بادی النظر میں عوام کا یہ خیال ان کے واہمہ کا آفریدہ تھا اور دنیا پر کوئی مصیبت مستعصم باللہ کے قتل سے نہ نازل ہوئی۔ لیکن واقعات کے اسباب وعلل پر نظر رکھنے والے اربابِ فکر نے محسوس کیا کہ مستعصم باللہ کی شہادت سے وحدتِ اسلامی کا سورج گہنا گیا، دنیائے اسلام تاریک ہو گئی اور وہ عظیم ثقافت، جس نے انسانیت کو نئے اقدارِ حیات دیے تھے، برباد ہو گئی۔ اس تباہی سے دنیائے اسلام میں ایک تہلکہ مچ گیا اور ہر مسلمان کی آنکھوں سے خون کے آنسو ٹپکے۔ اتابکانِ شیراز کے پروردۂ نعمت سعدی شیرازیؒ نے، گو ان کے مربی تاتاریوں کے ساختہ پرداختہ تھے اور اس عظیم ابتلا کے موقع پر تاتاریوں کے خلاف یا عباسیوں کی موافقت میں ایک لفظ بھی زبان سے نکالنا جرمِ عظیم تھا، سقوطِ خلافت کا مرثیہ عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں کہا۔ جہاں یہ مرثیہ بغداد اور عباسیوں کی تباہی کا مرثیہ ہے وہیں مسلمانوں کی تباہی اور اسلام کی بےکسی کا دردناک نوحہ بھی ہے۔ اس کے ابتدائی اشعار یہ ہیں:

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں ... بر زوالِ ملکِ مستعصم امیر المومنیں
اے محمدؐ گر قیامت سر بروں آری ز خاک ... سر بروں آر و قیامت در میانِ خلق بیں
نازنینانِ حرم را موجِ خونِ بے دریغ ... ز آستاں بگذشت و ما را خونِ دل در آستیں
خونِ فرزندانِ عمِ مصطفیٰؐ شد ریختہ ... ہم بر آں جائے کہ سلطاناں نہادندے جبیں

سعدی نے ایک عربی قصیدہ لکھا تھا جس کے دو اشعار مندرجہ ذیل ہیں:

بکت جدر المستنصریة ... علی العلماء الراسخین ذوی الحجی

مدرسۂ مستنصریہ کے در و دیوار ان علما پر گریہ کناں ہیں جو اس کے حجروں میں رہا کرتے تھے۔

بغداد کا ماتم ہند میں دنیائے اسلام کیونکر مرجھا [illegible]

فاین بنو العباس مفتخر الوری ذو الخلق المرضی والعدل والنزھر

کہاں گئے آلِ عباس جو دنیا کے لیے باعثِ فخر تھے اور جن کے اخلاق پسندیدہ، روشن و تابندہ تھے۔

اس عہد کے ایک مشہور عربی شاعر تقی الدین بن ابی الیبسر نے خلافت عباسیہ کے زوال پر یوں آنسو بہائے:

لسائل الدمع عن بغداد اخبار فما وقوفك والاحباب قد ساروا

بہتے ہوئے آنسو بغداد کی تباہی کی داستان سنا رہے ہیں۔ اب کہ دوست رخصت ہوئے تم کیوں ٹھہرے ہوئے ہو

تاج الخلافة والربع الذی شرفت به المعالم قد اعفاه اقفار

تاجِ خلافت اور وہ قصر جن سے دنیا کو شرف حاصل ہوا آج سنسان پڑے ہیں۔

وکم حرایم سبتہا الترک غاصبة وکان دون ذالك الستر استار

کتنی ایسی نازنینانِ حرم ہیں جنھیں زبردستی تاتاریوں نے اپنی باندی بنا لیا، حالانکہ وہ کئی کئی پردوں میں رہا کرتی تھیں۔

خلافت عباسیہ ۱۳۲ھ (۷۵۰ء) میں قائم ہوئی اور ۶۵۶ھ (۱۲۵۸ء) میں ختم ہو گئی۔ ۵۲۴ سال کے اس طویل عرصہ میں خلافت عروج و زوال کے مختلف مراحل سے گزری۔ سلطنت کے اقتدار میں قوت و ضعف کے اعتبار سے خلافت عباسیہ کو مندرجہ ذیل ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

دورِ اوّل: بنو عباس کی عظمت کا دراصل یہی دور ہے۔ اس کا آغاز ۱۳۲ھ میں ابو العباس السفاح کی خلافت سے ہوا، اور اس کا اختتام ۲۴۷ھ میں جعفر المتوکل علی اللہ کی شہادت پر ہوا۔ اس دور میں دس خلفا نے حکومت کی۔ جن میں ابو جعفر المنصور (۱۳۶ھ - ۱۵۸ھ) اور ہارون الرشید (۱۷۰ھ - ۱۹۳ھ) جیسے لائق افراد بھی شامل ہیں جن کا شمار دنیا کے چند عظیم حکمرانوں میں ہوتا ہے۔ اسی دور سے مامون (۱۹۸ھ - ۲۱۸ھ) کا بھی تعلق ہے جس کے عہد حکومت میں علوم و فنون کو کافی ترقی ہوئی۔

دورِ دوم: ترک غلاموں کے استیلا، خلفا کے عزل و نصب، قید و بند، بغداد اور سامرہ کی تباہی و بربادی کا یہ پہلا دور منتصر (۲۴۸ھ) کی خلافت سے معتمد کی تخت نشینی (۲۵۶ھ) تک رہا۔ اسی زمانہ میں عباسیوں کے مشرقی نائب خاندان آلِ طاہر کے ضعف کی

وجہ سے صفاریوں کی خود مختار حکومت قائم ہوئی۔ اور مغرب میں ابن طولون نے مصر میں اپنی امارت قائم کر لی۔ خلافتِ عباسیہ کا زوال یہیں سے شروع ہوتا ہے جو بعض مستثنیات کے سوا اخیر تک باقی رہا۔ ۲۵۶ھ سے ۲۹۵ھ تک

دورِ سوم: معتمد کے عہد خلافت سے مکتفی (۲۸۹ھ - ۲۹۵ھ) کی وفات تک یہ دور باقی رہا۔ اس عہد میں معتمد کے بھائی موفق طلحہ کے حسنِ تدبیر سے ترکوں کا زور ٹوٹا اور خلیفہ کو کسی قدر آزادیٔ عمل حاصل ہوئی۔ موفق کے بیٹے معتضد (۲۷۹ھ - ۲۸۹ھ) کا زمانہ عباسی خلافت کی نشأۃ ثانیہ کا دور ہے اور اسی لیے اسے "سفاح ثانی" کہا جاتا ہے۔ اس کے عہد میں داخلی شورشوں کے باوجود خلافت کے عروقِ مردہ میں خونِ زندگی دوڑا اور اس کی عظمتِ رفتہ باز آئی۔

دورِ چہارم: مقتدر باللہ (۲۹۵ھ - ۳۲۰ھ) کی تخت نشینی سے پھر انتشار کا آغاز ہوا۔ خلیفہ کی کم سنی سے ترک غلاموں نے فائدہ اٹھایا اور حکومت پر مستولی ہو گئے۔ اقتدار کی رسہ کشی شروع ہوئی اور خانہ جنگیوں کی ابتدا ہوئی۔ اسی زمانہ میں شمالی افریقہ میں عبید اللہ المہدی (۲۹۷ھ - ۳۲۲ھ) نے بنو فاطمہ کی خلافت قائم کی اور عملی انتشار کے ساتھ ساتھ نظری انتشار بھی شروع ہوا۔ اس بدحالی کی اصلاح کی جو تدبیر کی گئی اس سے مزید خرابیاں پیدا ہوئیں۔ اصلاح حال کے خیال سے راضی باللہ (۳۲۲ھ - ۳۲۹ھ) نے امیر الامرا کا ایک نیا منصب قائم کر کے ان صوبوں کو، جو براہِ راست خلافت کی تحویل میں تھے، محمد بن رائق والی بصرہ کو ٹھیکے پر دیدیے۔ راضی کے بھائی متقی للہ (۳۲۹ھ - ۳۳۳ھ) کا عہد بھی اسی انتشار اور دو عملی کی نذر ہوا۔ خلیفہ کے نام پر امیر الامرا مالیات کی وصول یابی میں جبر و استحصال کے مرتکب ہوتے رہے اور امرا اس منصب جلیل کے حصول کی خاطر باہم دگر زور آزمائی کرتے رہے۔

دورِ پنجم: یہ دور بنو بویہ کے تسلط کا دور ہے۔ امرا کی باہمی آویزشوں سے تنگ آکر ۳۳۴ھ میں مستکفی (۳۳۳ھ - ۳۳۴ھ) نے معز الدولہ دیلمی کو بغداد آنے کی دعوت دی۔ اس وقت سے ۴۴۷ھ تک جب قائم بامر اللہ (۴۲۲ھ - ۴۶۷ھ) خلیفہ تھا۔ بغداد اور اس کے ماتحت علاقوں پر بنو بویہ متغلب رہے۔ آلِ بویہ بغداد کے عملاً حکمراں تھے اور انھوں نے عباسیوں کو ذلیل و خوار کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ ان کے صد سالہ دورِ استیلا میں ایک وقت ایسا بھی آیا جب کہ

بویہی امیر الملک الرحیم[24] کے سپہ سالار ارسلان بساسیری[25] نے ۴۵۰ھ میں بغداد پر قبضہ کر کے ایک سال تک بغداد کی مساجد سے فاطمی خلیفہ المستنصر باللہ[26] کے نام کا خطبہ جاری کیا اور یوں اس زمانہ میں عباسیوں کی خلافت عملاً ختم ہو چکی تھی۔

دورِ ششم: ۴۴۷ھ میں سلطان طغرل سلجوقی[27] بغداد آیا اور آل بویہ کا خاتمہ کر کے عباسی خلیفہ قائم بامر اللہ کو اپنی حمایت میں لے لیا۔ ابتدا میں عباسیوں اور سلجوقیوں کے تعلقات خوش گوار رہے مگر جلد ہی ولی عہدی کے مسئلہ پر سلطان ملک شاہ سلجوقی[28] اور خلیفہ مقتدی (۴۶۷ھ۔۴۸۷ھ) میں اختلافات کا آغاز ہوا اور اگر ملک شاہ کا اچانک انتقال نہ ہو جاتا تو مقتدی کو بغداد اور خلافت دونوں ہی سے ہاتھ دھونا پڑتے۔[29] اس سے بھی زیادہ سنگین اختلافات مسترشد باللہ (۵۱۲ھ۔۵۲۹ھ) اور سلطان محمود سلجوقی[30] کے درمیان رونما ہوئے اور نوبت جنگ تک پہنچی۔ یہ تنازعات وقتی صلح سے دب گئے مگر سلطان مسعود سلجوقی[31] سے مسترشد کی جنگوں کا سلسلہ پھر شروع ہوا جس میں خلیفہ قتل ہوا۔[32] خلفائے عباسی نے سلاطین سلجوقی کے اقتدار سے گلو خلاصی کی جدوجہد جاری رکھی تا آنکہ خلیفہ مقتفی لامر اللہ (۵۳۰ھ۔۵۵۵ھ) نے سلجوقیوں کے اقتدار کا جوا اپنی گردن سے اتار پھینکا۔[33]

دورِ ہفتم: مقتفی کے عہد خلافت سے شروع ہو کر مستعصم باللہ (۶۴۰ھ۔۶۵۶ھ) کی شہادت پر یہ دور ختم ہوا۔ اس دور کے خلفا میں ناصر لدین اللہ (۵۷۵ھ۔۶۲۲ھ) کے عہد کو نہ صرف اس لیے اہمیت حاصل ہے کہ اس نے اپنی صلاحیتوں سے خلافت کی عظمتِ رفتہ کو واپس لانے کی کوشش کی اور خود مختار امرا کے مقابلے میں خلافتِ عباسیہ کی حیثیت برقرار رکھنے میں ایک حد تک کامیاب ہوا۔

خلافت عباسیہ سطوت و اقتدار اور رفعت و تسلط کے مختلف مدارج میں امت اسلامیہ کے بیشتر طبقات میں مقبول رہی اور اسے وحدتِ اسلامی کا مظہر سمجھا جاتا تھا۔[34] منصور کے عہد سے متوکل کے عہد تک خلافتِ عباسیہ صرف اسی لیے مطاع نہ تھی کہ اس کی عسکری قوت بے پایاں تھی یا اس کا مرکزی نظام حکومت مستحکم بنیادوں پر قائم تھا بلکہ اس کی سب سے بڑی وجہ عوام و خواص کا یہ خیال تھا کہ خلافت کے جائز وارث آلِ عباس ہیں اور امت مسلمہ

کی سربراہی کا حق انھیں کو پہنچتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب خلیفہ مامون نے خلافت کو علویوں کی جانب منتقل کرنے کا ارادہ کیا اور علی الرضا کو اپنا ولی عہد نامزد کر کے عباسیوں کے سیاہ علم کو علویوں کے سبز پرچم سے بدل دیا تو بغداد میں کہرام مچ گیا اور اس کے دو چچاؤں منصور بن مہدی اور ابراہیم بن مہدی کو یکے بعد دیگرے خاندان عباسی کی قیادت تفویض کی گئی۔ لیکن جب مامون نے علویوں کی جانب انتقال خلافت کا خیال ترک کر دیا تو اس کی مخالفت بھی ختم ہو گئی۔ یہی استحقاق خلافت کا نظریہ تھا جس کے زیر اثر مشہور طالع آزما یعقوب بن لیث صفار کے خراسانی سرداران فوج نے خلیفہ معتمد علی اللہ کے خلاف نہ صرف یہ کہ لڑنے سے انکار کر دیا بلکہ عین معرکۂ کارزار میں یعقوب کے لشکر سے علیحدہ ہو کر خلیفہ کے علم کے نیچے چلے آئے اور نتیجۃً صفاریوں کو پسپا ہونا پڑا۔ عباسیوں کے اس اقتدار ہی کا اثر تھا کہ اسماعیل سامانی نے ساز و سامان کی کمی کے باوجود عمرو بن لیث صفار کو بلخ کے مقام پر شکست دی، جو محض تائید غیبی اور ایک اتفاقی حادثہ کا نتیجہ تھی، تو لوگوں نے اسے خلیفۂ عباسی کی کرامت پر محمول کیا۔ عباسیوں سے گرویدگی ہی کی وجہ سے مشہور فاتح اور کشور کشا محمود غزنوی نے ہمیشہ بارگاہِ خلافت کی اطاعت کو اپنا شعار بنائے رکھا اور فاطمی خلیفہ حاکم بامر اللہ کے پیغام کو درخور اعتنا نہ سمجھا۔ اور اسی کی وجہ سے آلِ بویہ خلافتِ عباسیہ کو ختم کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ اسی طرح یہ بھی اسی اعتقاد کا اثر تھا کہ سلطان طغرل سلجوقی اور دوسرے سلاطین سلجوقیہ نے عباسیوں کی اطاعت کو اپنا شعار بنایا اور عموماً اس سے انحراف نہ کیا اور اگر کبھی ایسا کیا بھی تو انھیں اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ چنانچہ ملک شاہ اور خلیفہ مقتدی میں مخالفت کا آغاز ہوا اور ملک شاہ نے ایک ماہ کی مدت میں خلیفہ کو بغداد سے نکل جانے کا حکم دیا، جو ملک شاہ کی اچانک موت سے نافذ نہ ہو سکا، تو خلیفہ کی ناراضگی کو اس کی موت کا سبب قرار دیا گیا اور اس کے جانشین خلیفہ سے مصالحت کرنے پر مجبور ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ عوام و خواص کے دلوں میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ عباسیوں کی مخالفت اللہ اور اس کے رسول ؐ کے فرمان سے سرتابی کے مترادف ہے۔ اسی طرح جب خلیفہ ناصر لدین اللہ اور علاء الدین محمد خوارزم شاہ میں اختلاف کا آغاز ہوا اور خوارزم شاہ کی فوج مدائن کے قریب ۶۱۴ھ میں

طوفانِ ابر و باد کی نذر ہوگئی تو یہ عقیدہ[۵۸] اور بھی پختہ ہوگیا کہ عباسیوں سے گردن کشی منشائے الٰہی سے سرکشی ہے۔ یہ بات خلیفہ ناصرلدین اللہ کے اس فرمان سے بھی ظاہر ہوتی ہے جو اس نے اپنے وزیر مؤیدالدین محمد بن برز القمی[۵۹] کے تقرر کے موقع پر جاری کیا تھا۔ اس میں تحریر تھا:

"محمد بن برز القمی ملک میں ہمارا نائب ہے۔ جس نے اس کی اطاعت کی اس نے ہماری اطاعت کی۔ اور جس نے ہماری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی۔ اور خدا اسے جنت میں داخل کرے گا۔ جس نے اس کی نافرمانی کی، اس نے ہماری نافرمانی کی۔ اور جس نے ہماری نافرمانی کی، اس نے خدا کی نافرمانی کی۔ اور خدا اسے دوزخ میں ڈالے گا۔"[۶۰]

یہی عقیدہ تھا جس کی وجہ سے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ اگر خلافتِ عباسیہ ختم ہوگئی تو دنیا تاریک ہو جائے گی۔ عباسیوں کے اسی اقتدار کا اثر تھا کہ مشرق و مغرب کی خود مختار امارتوں نے خانہ جنگیوں اور باہمی جنگ و جدل کے باوجود انھیں کو اقتدارِ اعلیٰ کا منبع سمجھا، خطبوں میں ان کا نام لیا اور ان کے نام سے سکے ڈھلوائے۔ ان سے حکومت کی اجازت لینا ان کے لیے سرمایۂ افتخار تھا۔ یہ اقتدار صرف انھیں علاقوں پر نہ تھا جو کبھی عباسیوں کے زیرِ نگیں رہ چکے تھے بلکہ وہ علاقے بھی، جن پر عباسیوں نے کبھی حکومت نہ کی، وہاں بھی جب نئی حکومتیں قائم ہوئیں تو عباسیوں ہی سے حکومت کی اجازت حاصل کی گئی۔ مراکش اور اندلس میں موحدین کی حکومت کے بانی امیر المسلمین یوسف بن تاشفین[۶۱] نے بھی اپنے حقِ حکمرانی کے جواز پر عباسیوں سے مہرِ تصدیق ثبت کرائی اور اس کی بارگاہ سے خلعت و خطاب پایا۔ یہی کیفیت ہندوستان میں خاندانِ غلاماں کی تھی۔ سلطان شمس الدین[۶۲] التمش نے خلیفہ مستنصر باللہ (۶۲۳ھ - ۶۴۰ھ) سے ۶۲۶ھ میں فرمانِ حکومت، خطاب و خلعت حاصل کیا اور دلی میں اس کے نائب کی حیثیت سے حکومت کی۔ یہ سلسلہ خلافتِ عباسیہ کے انتزاع کے بعد بھی جاری رہا، اور سلطنتِ دہلی کی قلمرو میں آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کی شہادت کے بعد ۶۵۹ھ تک، یہ جانتے ہوئے بھی کہ خلیفہ شہید کیا جاچکا ہے، اسی کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا رہا اور سکوں میں اسی کا نام کندہ ہوتا رہا۔[۶۳] اور غالباً یہی وجہ تھی کہ خلافتِ عباسیہ کی نشأۃ ثانیہ کی ضرورت پیش آئی۔ اور مصر و شام میں سلطان الملک الظاہر بیبرس[۶۴] بندقداری نے خلافتِ عباسیہ کا ۶۵۹ھ میں احیا کیا اور مستعصم باللہ کے چچا احمد بن خلیفہ ظاہر باللہ کو مسندِ خلافت پر متمکن کیا۔ یوں عہد الخطاط میں بھی

خلافت کے جائز حق دار عباسی ہی سمجھے جاتے تھے اور ہر نیا حکمراں ان سے اجازت لینے اور ان کی نیابت میں حکومت کرنے کو اس لیے ضروری سمجھتا تھا کہ اس کے بغیر اس کی حکومت جائز نہ سمجھی جائے گی۔ مگر خلافت عباسیہ کے زوال سے اقتدار سیاسی کی یہ مرکزیت ختم ہوگئی، اور پھر مسلمانوں میں سیاسی وحدت باقی نہ رہی، اور خلافتِ عباسیہ کا زوال ملتِ اسلامیہ کی مرکزیت اور وحدتِ اقتدار کا زوال ثابت ہوا۔

عباسیوں کی یہ سیاسی برتری عملی نقطۂ نگاہ ہی سے نہیں بلکہ نظری اعتبار سے بھی مسلّم تھی۔ مشہور سیاسی مفکر ابوالحسن[۵۵] الماوردی نے الاحکام السلطانیہ میں خلافت ہی کو جائز طرز حکومت قرار دیا ہے اور امارت وسلطنت کو اسی وقت درست تسلیم کیا ہے جب اسے بارگاہِ خلافت سے منظوری کی سند[۵۶] مل جائے۔ امام غزالی[۵۷] نے بھی خلافت کے وجود کو خالص مذہبی نقطۂ نظر سے باقی رکھنے پر زور دیا ہے کہ اس کے بغیر اعمالِ دین اور امور دنیوی کی بجا آوری درست نہیں[۵۸]۔ جب سیوطی[۵۹] نے خلافتِ عباسیہ کے زوال پر نوحہ خوانی کی تو اس کے پیش نظر خلافت کا یہی مذہبی پہلو تھا[۶۰]۔ خلافتِ عباسیہ کے خاتمہ سے اس حکومت کا بھی خاتمہ ہوگیا جو نظریاتی اعتبار سے جائز خیال کی جاتی تھی، اور جسے مذہبی حیثیت حاصل تھی۔

خلافتِ راشدہ میں امور دنیا احکام دین کے تابع تھے۔ خلفائے راشدین مسلمانوں کے دینی اور دنیوی دونوں ہی سربراہ تھے، اور قرآن کی اشاعت، حدیث کی روایت اور مسائلِ پیش آمدہ میں تشریع کی نگرانی و ذمہ داری ان کے فرائض ہی محسوب ہوتی تھیں۔ اس طرح تشریع بالکلیہ حکومت کے دائرۂ اختیار میں تھی۔ انفرادی تشریع کی کوئی گنجائش نہ تھی[۶۱]۔ خلافتِ راشدہ کے بعد جب بنو امیہ کی خلافت قائم ہوئی تو یہ صورت نہ باقی رہی۔ حکومت کے بجائے تشریع کی جانب مختلف مقامات کے علمانے نجی طور پر توجہ مبذول کی، اور ایک ایسی تشریع کا سلسلہ شروع ہوا جس میں مرکزیت نہ تھی بلکہ اہلِ حجاز، اہل عراق اور اہلِ شام کے اصولِ استخراج بنیادی ماخذات کی قدر مشترک کے باوجود ایک دوسرے سے ہیئت و ترکیب میں مختلف ہو گئے[۶۲]، اور ایسا اس لیے ہوا کہ مختلف مقامات کے علما، محدثین و فقہا کے معیار رد و قبول روایت میں فرق تھا و نیز اصولِ درایت کے استعمال میں بھی کوئی یکساں طریقہ ان کے مابین موجود نہ تھا۔ اس عدمِ ارتباط

اور فکری غیر مجانست کے باعث مختلف مذاہبِ فقہی پیدا ہوئے اور ہر شہر کے فقہا مستقل مدرسۂ قانون کے بانی ہو گئے بلکہ بعض اوقات تو ایک شہر میں بھی متعدد مسالکِ فقہی قائم ہوئے۔[۵۵] خلافتِ عباسیہ کے آغاز میں امام ابو حنیفہؒ اور ان کے تلامذہ نے ایک مبسوط اور باقاعدہ ضابطۂ قانون مرتب کیا۔ اپنی خوبیوں اور ائمہ احناف کی وجہ سے یہ ضابطۂ قانون دنیائے اسلام کے بہت بڑے حصے میں رائج ہو گیا۔ امام ابو یوسفؒ[۶۵] کے عہد ہارون میں منصب قاضی القضات پر فائز ہونے سے اس کی اشاعت کو مزید تقویت پہنچی۔ اس کے بعد امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن محمد بن حنبلؒ کے فقہی مذاہب مدوّن ہوئے۔ اور دنیائے اسلام میں قانونی ہم آہنگی کا آغاز ہوا۔ مگر اس کے باوجود اجتہاد کے دروازے کھلے ہوئے تھے اور داؤد ظاہریؒ[۶۶]، ابن جریر طبریؒ اور دوسرے فقہا کے فقہی مذاہب وجود میں آئے۔ اجتہاد نے اسلامی تشریع کو فروغ دیا اور فقہ اسلامی متحرک اور ترقی پذیر رہی۔ خلافتِ عباسیہ کے دورِ زوال میں امتِ مسلمہ انتشار کا شکار رہی اس سے اجتہاد کی نشو ونما رکنے لگی اور جب خلافت عباسیہ کا سقوط ہوا تو اس کا بالکل خاتمہ ہو گیا۔ تقلید کی بندشیں سخت سے سخت تر ہو گئیں اور یوں خلافتِ عباسیہ کا زوال اجتہادی صلاحیتوں کے انحطاط اور فقہ اسلامی کے جمود کا باعث ہوا۔ اجتہاد کے سوتے خشک ہو گئے۔ اسلامی تشریع ارتقا کی نئی منزلیں نہ طے کر سکی اور جہاں تک اسے عباسیوں کے دورِ اقتدار میں پہنچا دیا گیا تھا اس سے آگے اس کے قدم نہ بڑھے۔

خلافت عباسیہ اپنے آغاز سے اختتام تک کبھی بھی تمام دنیائے اسلام پر حکمراں نہ رہی سب سے پہلے اندلس میں عبد الرحمٰن اول نے ایک آزاد حکومت قائم کرلی، جس نے عباسیوں کی بالادستی کبھی تسلیم نہیں کی۔ اس کے بعد ادریس بن عبد اللہؒ علوی نے مغرب اقصیٰ میں ایک دوسری خود مختار حکومت قائم کی۔ ۲۹۷ھ میں عبید اللہ المہدی نے شمالی افریقہ میں بنو فاطمہ کی خلافت کی بنیاد رکھی۔ اس طرح آغاز ہی سے مملکتِ اسلامیہ میں عباسیوں کے علاوہ متعدد حکومتیں قائم ہوتی رہیں جنھوں نے خلفائے عباسی کی کبھی اطاعت نہ کی بلکہ اپنے کو ان کا حریف اور مدمقابل سمجھا۔ لیکن جہاں تک ثقافتی اور تمدنی مسائل کا تعلق ہے بغداد کا سکہ ہر جگہ چلتا تھا، اور قرطبہ، فاس، مہدیہ، قاہرہ اور ان تمام مقامات پر جہاں عباسیوں کے حریفوں کی حکومتیں تھیں ثقافت کی دنیا میں

خلفائے عباسیہ ہی کی عمل داری تھی۔ تمام دنیائے اسلام ایک واحد ثقافت کی حامل تھی۔ جو ثقافت و تہذیب بغداد کے شہر میں پروان چڑھی اس کا چلن قرطبہ اور قاہرہ میں بھی ہوا، اور یوں خلافتِ عباسیہ کی بدولت دنیائے اسلام کو ایک واحد تمدن اور مشترکہ ثقافت ملی۔ جس نے نہ صرف اپنے عہد کی دنیا کو حضارت و تہذیب کے درس دیے بلکہ صحیفۂ عالم پر اس کے دوام کی مہر ثبت ہے اور آج کی تہذیبی ترقی میں اس کا بھی ہاتھ ہے۔ زوالِ بغداد کا ایک اثر یہ بھی ہوا کہ ثقافت و تہذیب کی یہ ہم آہنگی اور یکسانی باقی نہ رہی۔

عہد عباسیہ میں، گو مملکت اسلامیہ کی مادری زبان صرف عربی نہ تھی۔ بلکہ اسپینی، بربری، فارسی، سریانی ترکی و ہندوستانی زبانیں بولنے والی اقوام بھی اس کی حلقہ بگوش تھیں، اور ان میں سے بعض زبانوں کو اسلام سے پہلے بھی علمی حیثیت حاصل تھی، مسلمانوں کی علمی و تعلیمی زبان عربی تھی۔ ایک مشترک ذریعۂ افہام و تفہیم کی حیثیت سے اس زبان کو عمومیت حاصل ہوئی۔ اسلامی ممالک کے طلبہ و علما کے علمی رحلات و اسفار، جو اتحادِ خیال اور ذہنی و فکری ہم آہنگی کا بہت بڑا سبب تھے، صرف اس لیے ممکن تھے کہ بلادِ اسلامیہ میں ذریعۂ تعلیم و تعلم اور علمائے اسلام کی تصانیف کی زبان عربی تھی۔ مسلمانوں کی ذہنی کوششوں کا اظہار عموماً عربی زبان کے ذریعہ ہوتا تھا۔ اس سے دنیائے اسلام میں علمی اتحاد کی فضا قائم ہوئی اور مسلمانوں کے علمی کارنامے عموماً، بلا اختلافِ وطن و زبان، ایک ہی قوم کے کارنامے اور ایک ہی زبان کی تصانیف محسوب ہوئے۔ خلافتِ عباسیہ کے زوال سے عربی زبان کی یہ عمومی حیثیت اور نتیجۃً علما و طلبہ کے علمی سفروں کے سلسلے اگر ختم نہ ہوئے تو بھی ان میں اس حد تک کمی واقع ہو گئی کہ ان کے اثرات کا مسلمانوں کی علمی زندگی پر کوئی شائبہ نہ رہا۔

خلافتِ عباسیہ کے زوال کا ایک اثر یہ بھی ہوا کہ لوگوں میں مایوسی اور قنوطیت بڑھی۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں میں ترکِ دنیا، زندگی سے بیزاری، حقائق سے اغماض اور جد و جہد سے صرفِ نظر کا جذبہ پیدا ہوا۔ ان میں راہبانہ طرزِ حیات کو مقبولیت حاصل ہوئی اور یوں ایک ایسے تصوف نے فروغ پایا جو اسلام کی روح کے خلاف تھا۔ کیونکہ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔

تصوف ایک مشہور

اور بقول علامہ اقبال خلافتِ عباسیہ کے زوال کے نتیجہ کے طور پر اسلامی معاشرہ میں عجمی تصوف نے برگ و بار پایا۔ سخت کوشی، مشکل طلبی اور جدوجہد کا جذبہ قوم کے دلوں سے مفقود ہو گیا۔ اور حقائق سے مقابلہ کرنے کے بجائے امتِ مسلمہ صوفیا کے تصرف و کرامات پر تکیہ کرنے لگی۔

سطورِ بالا کی روشنی میں یہ دعویٰ کرنا بے جا نہ ہوگا کہ خلافتِ عباسیہ کا زوال مسلمانوں کی سیاسی وحدت، ملّی یک جہتی، قانونی ہم آہنگی، تمدنی و ثقافتی یکسانی، لسانی و علمی و تعلیمی اتحاد اور جذبۂ اتحاد و سخت کوشی کا زوال تھا۔ اور آخری خلیفہ امیر المومنین المستعصم باللہ کی شہادت، بغداد کی تباہی، دنیائے اسلام کی بربادی اور مسلمانوں کا قتلِ عام وقتی حادثے نہ تھے کہ آئے اور گزر گئے اور انھوں نے تاریخ پر اپنے اثرات نہ چھوڑے۔ بلکہ یہ سانحے اپنے اثرات کے لحاظ سے بڑے دوررس ثابت ہوئے اور ان کی وجہ سے امتِ اسلامیہ کی اجتماعیت کا شیرازہ ایسا بکھرا کہ پھر مجتمع نہ ہو سکا۔ اور اسلام کے قصرِ بلند میں ایسا رخنہ پڑا جو آج تک بند نہ ہو سکا:

فما كان قيس هلكه هلك واحد   ولكنه بنيان قومٍ تهدما

حوالے اور تشریحات:

۱؎ منگولیا اور جنوبی سائبیریا کے باشندوں کو تاتار کا نام اہلِ چین نے دیا۔ انھوں نے ان کی تین قسمیں کی ہیں (۱) دیوارِ چین کے قریب بسنے والے سفید تاتار (۲) صحرائے گوبی کے شمال میں رہنے والے سیاہ تاتار۔ اور (۳) سیاہ تاتاریوں کے شمال میں جنگلات میں آباد شکاری تاتاری قبائل۔ اسی تیسرے خاندان میں تموچین ۱۱۵۵ء میں پیدا ہوا جو چنگیز خاں کے نام سے تاتاریوں کا مشہور حکمراں ہوا ہے۔ اسی کے عہد میں اسلامی ممالک پر ان کی یلغاروں کا آغاز ہوا۔ (تاریخ شعوب اسلامیہ۔ کارل بروکلمین (ترجمہ انگریزی)، لندن ۱۹۵۰ء ص ۲۴۴-۲۴۵)

۲؎ ایضاً، ص ۲۴۴

۳؎ المختصر فی اخبار البشر۔ ابو الفدا۔ حسینیہ مصر ۱۳۲۲ھ، ج ۳، ص ۱۲۳

۴؎ ایضاً، ج ۳، ص ۱۲۷ و ۱۲۸

۵؎ و ۶؎ تاریخ الخمیس لدیار بکری بحوالہ تاریخ ادبیات عرب (انگریزی)، نکلسن۔ لندن ۱۹۵۳ء ص ۴۴۵ و ۴۴۶ و المختصر فی اخبار البشر، ج ۳، ص ۱۹۳ و ۱۹۴

۵۷ الفخری فی الآداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ۔ ابن طقطقی، ص ۱۱ مطبوعہ رحمانیہ مصر ۱۳۴۵ھ

۵۸ الوافی بالوفیات۔ صلاح الدین صفدی۔ ج ۱، ص ۱۷۹ بحوالہ تاریخ اسلام۔ شاہ معین الدین ندوی، ج ۴، ص ۴۰۰۔ مطبوعہ دار المصنفین اعظم گڑھ، ۱۹۵۳ء

۵۹ سنقر ترکمان نے کہ سلجوقیوں کا پروردہ نعمت تھا، ۵۴۳ھ میں اتابکان شیراز کی خود مختار حکومت فارس میں قائم کی۔ چوتھے اتابک سعد نے ۶۰۰ھ میں غزوں کو شکست دے کر کرمان پر بھی قبضہ کر لیا۔ جب خوارزم شاہ نے اس کے ملک پر حملہ کیا تو اس نے اس کی اطاعت قبول کر لی۔ ۶۲۳ھ میں اس کا جانشین ابوبکر ہوا جو سعدی کا ممدوح تھا۔ اس نے منگولوں سے صلح کر کے اپنی حکومت اور فارس و کرمان کو تباہی سے بچا لیا۔ شیراز کو اتابکوں کے عہد میں بڑی رونق حاصل ہوئی (تاریخ ایران انگریزی)۔ سر پرسی سائیکس۔ لندن ۱۹۳۰ء، ج ۲، ص ۵۵، ۵۴)

۶۰ مشرف الدین بن مصلح الدین عبد اللہ سعدی شیرازی ۱۱۸۴ء میں پیدا ہوئے اور ۱۲۹۱ء میں شیراز میں وفات پائی۔ ان کی تعلیم مدرسۂ نظامیہ بغداد میں ہوئی۔ شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید اور شمس الدین ابن الجوزی کے شاگرد تھے۔ گلستان و بوستان و کلیات سعدی ان سے یادگار ہیں (تاریخ ادبیات ایران (انگریزی)، براؤن۔ کیمبرج یونیورسٹی پریس ۱۹۵۱ء، ج ۲، ص ۵۲۶)

۶۱ کلیاتِ سعدی، مطبوعہ مطبع محمدی بمبئی ۱۹۶۱ء ص ۲۲۱ و ۱۷۶

۶۲ تاریخ اسلام۔ شاہ معین الدین ندوی، ج ۴، ص ۴۰۲

۶۳ ترکوں کو فوج میں بھرتی کرنے کا آغاز مامون نے کیا۔ معتصم کے عہد میں فوج میں ان کی اتنی کثرت ہوئی کہ ان کے لیے ایک نیا شہر سامرا (سُرَّ مَنْ رَای) آباد کرنا پڑا۔ خلیفہ نے بھی بغداد کے بجائے نئے شہر میں قیام کیا۔ واثق کے زمانہ میں ترکوں کو مزید تغلب حاصل ہوا۔ متوکل نے ان کا زور توڑنے کی کوشش کی مگر ترکوں کی سازش سے شہید ہوا۔ اس کے بعد حکومت میں ان کا اقتدار اتنا بڑھا کہ ان کی مرضی پر خلفا کے وجود کا انحصار تھا۔ مزید تفصیل کے لیے ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن کی کتاب النظم الاسلامیہ (ترجمہ اردو) صفحات ۴۰ و مابعد ملاحظہ فرمائیے۔

۶۴ مامون نے ۲۰۵ھ میں طاہر بن حسین کو خراسان کا گورنر مقرر کیا۔ اس وقت سے اس کے خاندان میں امارت خراسان قائم ہوئی اور ۲۵۹ھ میں اس خاندان کے امیر محمد بن طاہر کی یعقوب صفار سے شکست پر

اس کا خاتمہ ہو گیا۔ (تاریخ ابن خلدون (ترجمہ اردو) ج ۳، ص ۱۸۰ و ۱۸۱

۱۵ھ سجستان میں خارجیوں کے خلاف رضا کار فوج میں یعقوب اور اس کا بھائی عمرو شامل ہوئے۔ یہ جلد ہی رضا کاروں کے سربراہ ہو گئے۔ طاہریوں کے مقابلہ میں انھیں کامیابیاں ہوئیں اور انھوں نے ۲۵۱ھ میں اپنی حکومت قائم کرلی جو ۲۸۷ھ میں ختم ہوئی (تاریخ ابن خلدون (اردو) ج ۳، ص ۴۵۷)

۱۶ھ احمد طولون نے کہ فرغانہ کا ترک تھا، مصر کے نائب امیر کی حیثیت سے ترقی کر کے مصر و شام پر قبضہ کر لیا اور ۲۶ سال تک خود مختارانہ حکومت کی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا خمارویہ ۲۷۰ھ میں اس کا جانشین ہوا (المختصر فی اخبار البشر۔ ابو الفداء۔ ج ۲، ص ۵۳)

۱۷ھ ابو احمد طلحہ الموفق باللہ خلیفہ متوکل کا بیٹا اور اپنے بھائی معتمد کا ولی عہد تھا۔ معتمد برائے نام خلیفہ تھا اصل اقتدار موفق کو حاصل تھا۔ اس نے ۲۷۸ھ میں وفات پائی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا معتضد ولی عہد ہوا (المختصر فی اخبار البشر، ج ۲، ص ۵۴)

۱۸ھ نظری انتشار سے اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ بنو فاطمہ کے ادعائے خلافت کے بعد بیک وقت تین دعویداران خلافت پیدا ہو گئے۔ عباسیہ، بغداد۔ فاطمیہ مہدیہ اور امویہ قرطبہ۔ اور یوں تعدد خلافت کے جواز و عدم جواز کا مسئلہ چھڑ گیا جو آج بھی مابہ النزاع ہے۔

۱۹ھ امیر الامرا کے اقتدار اور چیرہ دستیوں کی تفصیل کے لیے ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن کی کتاب النظم الاسلامیہ (اردو) ص ۸۰ - ۸۵ ملاحظہ فرمائیں۔

۲۰ھ محمد بن رائق والی بصرہ ۳۲۴ھ میں امیر الامرا ہوا، اور ۳۳۰ھ میں ناصر الدولہ حمدانی کے حکم سے قتل کر دیا گیا (المختصر فی اخبار البشر۔ ج ۲، ص ۸۴ و ۸۹)

۲۱ھ المختصر فی اخبار البشر۔ ج ۲، ص ۸۴، ۸۵، ۸۸

۲۲ھ ابو الشجاع بویہ کا بیٹا احمد معز الدولہ اور اس کے بھائی رکن الدولہ و عماد الدولہ معمولی حیثیتوں سے ابھر کر فارس پر مستولی ہو گئے بعد ازاں معز الدولہ نے اہواز پر قبضہ کر لیا۔ وہاں سے وہ بغداد آیا اس پر قابض ہو کر ۳۵۶ھ میں اپنی وفات تک حکومت کی (المختصر فی اخبار البشر ج ۲، ص ۷۸، ۹۴ و ۱۰۲)

۲۳ھ خلافت و سلطنت۔ ڈاکٹر امیر حسن صدیقی۔ مطبوعہ جمعیۃ الفلاح کراچی ۱۹۶۳ء ص ۸۵ و مابعد۔

۲۴ھ بغداد کا آخری بویہی حکمران ابو نصر خسرو فیروز ۴۴۰ھ میں منصب امارت پر فائز ہوا۔ ۴۴۷ھ میں

طغرل بیگ نے اسے گرفتار کرکے اس کی حکومت کا خاتمہ کیا (المختصر فی اخبار البشر ج ۲، ص ۱۶۹ و ۱۷۳)

۲۵ بہاء الدولہ بویہی کا یہ ترکی غلام طغرل کے بغداد سے چلے جانے کے بعد اس پر مستولی ہو گیا۔ خلیفہ قائم عباسی کو نکال کر قصر خلافت کو لوٹ لیا۔ جامع منصور میں مستنصر باللہ فاطمی کا خطبہ جاری کیا۔ طغرل نے دوبارہ آکر خلیفہ کو بحال کیا۔ ۴۵۱ھ میں بساسیری کو گرفتار کرکے قتل کرا دیا اور اس کی لاش سے سر کاٹ کر بغداد بھیجا جہاں اسے سولی پر چڑھا دیا گیا۔ (المختصر فی اخبار البشر، ج ۲، ص ۱۷۷ - ۱۷۹)

۲۶ ابو تمیم معد المستنصر باللہ ۴۲۷ھ میں خلیفہ ہوا اور ۴۸۷ھ میں وفات پائی۔ اس کا عہد حکومت عوام، امرا، اور خود اس کی مصیبتوں کا دور ہے۔ اس نے بہت سے نشیب و فراز دیکھے۔ آخر میں وزیر بدر جمالی نے امور سلطنت کی اصلاح کی اور گو اختیارات وزیر کے ہاتھ میں رہے مگر خلیفہ کو کسی قدر سکون میسر آیا (تاریخ ابن خلدون (اردو ترجمہ)، ج ۵، ص ۱۵۵۔

۲۷ محمود غزنوی کی وفات کے بعد طغرل بن سلجوق نے خراسان و ایران کے بہت بڑے حصہ پر قبضہ کرکے ۴۲۹ھ میں آل سلجوق کی سلطنت قائم کی۔ خلیفہ عباسی نے اسے حسن خدمات کے صلہ میں سلطان کا خطاب دیا۔ ۴۵۵ھ میں وفات پائی (سیاست نامہ، طوسی۔ مطبوعہ الہ آباد ۱۹۳۱ء، ص ۱ و ۲ (تعلیقہ)

۲۸ ملک شاہ خاندان سلجوق کا تیسرا حکمران ہے۔ اس نے ۴۶۵ھ سے ۴۸۵ھ تک بیس سال حکومت کی۔ اس کے عہد میں سلطنت سلاجقہ اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ گئی جس کے بعد زوال شروع ہو گیا (المختصر فی اخبار البشر ج ۲، ص ۱۸۹ و ۲۰۳)

۲۹ ابن خلکان ج ۲، ص ۱۶۴ بحوالہ مسلمانوں کا نظم مملکت۔ حسن ابراہیم حسن (اردو) ص ۹۶۔

۳۰ محمود بن محمد بن ملک شاہ نے ۵۱۱ھ سے ۵۲۵ھ تک حکومت کی۔ ۵۲۱ھ میں مسترشد سے چند جھڑپوں کے بعد صلح ہو گئی اور محمود بغداد سے چلا گیا۔ (المختصر فی اخبار البشر ج ۳، ص ۵ و خلافت و سلطنت، ڈاکٹر امیر حسن صدیقی، ص ۱۲۸، ۱۲۹)

۳۱ ملک شاہ کے پوتے مسعود بن محمد نے ۵۲۵ھ سے ۵۴۷ھ تک حکومت کی اس کے ساتھ ہی آل سلجوق کی عظمت بھی دفن ہو گئی (المختصر فی اخبار البشر، ج ۳، ص ۲۳)

۳۲ الفخری۔ ابن طقطقی، ص ۲۲۲ و ۲۲۳ ۳۳ المختصر فی اخبار البشر، ج ۳، ص ۳۷

۳۴ مسلمانوں کا نظم مملکت۔ حسن ابراہیم حسن (ترجمہ اردو) ص ۱۰۲۔

۳۵ علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن حسینؓ بن علیؓ بن ابی طالب مدینہ میں ۱۴۸ھ میں پیدا ہوئے اور طوس میں ۲۰۲ھ میں وفات پائی۔ وہ شیعہ اثنا عشریہ کے آٹھویں امام ہیں (المختصر فی اخبار البشر ج ۲، ص ۲۳ و ۲۴)

۳۶ و ۳۷ مامون نے ۲۰۱ھ میں علی الرضا کو ولی عہد نامزد کیا۔ اہل بغداد اور بنو عباس نے اس کے خلاف سخت احتجاج کیا اس میں اس کے دو چچا منصور اور ابراہیم پیش پیش تھے۔ محرم ۲۰۲ھ میں مامون کو معزول کر کے ابراہیم کی بیعت کی گئی مگر جب مامون نے شعار عباسی کو بحال کر دیا تو ۲۰۳ھ میں اہل بغداد نے ابراہیم کی بیعت فسخ کر دی۔ اس نے ایک سال گیارہ ماہ خلافت کی اس کے بعد روپوش ہو گیا۔ ۲۱۰ھ میں اسے گرفتار کر کے مامون کے سامنے پیش کیا گیا جس نے اسے معاف کر دیا (المختصر فی اخبار البشر، ج ۲، ص ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۸ و ۲۹)

۳۸ یعقوب خاندانِ صفاریہ کا بانی ہے۔ اس نے معمولی حیثیت سے ترقی کر کے فارس سے لے کر سندھ تک کے وسیع علاقے پر حکومت کی۔ اسے غلطی سے خارجی کہا گیا ہے مگر خوارج سے اس کا کوئی تعلق نہیں اس نے ۲۶۵ھ میں اہواز کے مقام جندی سابور میں وفات پائی (المختصر فی اخبار البشر، ج ۲، ص ۵۲)

۳۹ سیاست نامہ۔ نظام الملک طوسی، ص ۹، ۱۱ مطبوعہ الہ آباد ۱۹۳۱ء

۴۰ اسماعیل بن احمد بن اسد سامانی مشہور ایرانی سپہ سالار بہرام چوبیں کی نسل سے تھا۔ ۲۷۹ھ میں ماوراء النہر کا حکمراں ہوا۔ صفاریوں کو شکست دینے کے بعد ۲۸۷ھ میں خراسان بھی اس کے قبضے میں آ گیا۔ اس نے ۲۹۵ھ میں انتقال کیا (المختصر فی اخبار البشر، ج ۲، ص ۷۱)

۴۱ عمرو بن لیث اپنے بھائی یعقوب کی وفات کے بعد ۲۶۵ھ میں خراسان، سجستان، کرمان و سندھ کا حکمراں ہوا۔ ۲۸۷ھ میں اسماعیل نے شکست دے کر اس کی حکومت کا خاتمہ کر دیا اور اسے گرفتار کر کے بغداد بھیج دیا جہاں اس کو بحالت اسیری ۲۸۹ھ میں قتل کر دیا گیا (المختصر فی اخبار البشر، ج ۲، ص ۵۲ و ۵۸)

۴۲ واقعہ یہ ہوا کہ عمرو کی فوج ستر ہزار تھی جو جملہ ساز و سامان سے لیس تھی اور اسماعیل کی سپاہ قلت تعداد کے ساتھ بے ساز و سامان بھی تھی۔ جب دونوں فوجیں بلخ کے باہر صف آرا ہوئیں تو عمرو اپنی فوج کے آگے صفوں کا معائنہ کر رہا تھا کہ اس کا گھوڑا بھڑکا اور اسے سیدھا لے کر اسماعیل کے وسط لشکر میں پہنچ گیا جہاں اسے گرفتار کر لیا گیا اور اس کی فوج بے لڑے بھڑے بھاگ کھڑی ہوئی (مزید تفصیل سیاست نامہ طوسی کے فصل سوم میں

ملاحظہ فرمائیں)

۴۳ھ محمود ۳۶۱ھ میں پیدا ہوا۔ اپنے باپ سبکتگین کے بعد ۳۸۸ھ میں غزنی کا حکمران ہوا اور رجب ۴۲۱ھ میں ماوراءالنہر، خراسان، کرمان، سندھ و سجستان کے وسیع علاقوں پر اس کی حکومت تھی۔ (سیاست نامہ (تعلیقہ) ص ۱۲)

۴۴ھ ابو علی منصور بن عزیز باللہ چھٹا فاطمی خلیفہ ۳۸۶ھ میں خلیفہ ہوا اور ۴۱۱ھ میں غائب ہو گیا غالباً اسے اس کی بہن ست الملک نے امراء سے سازش کر کے قتل کرا دیا۔ وہ مجموعہ اضداد تھا۔ اس کے احکام لوگوں کے لیے آج بھی باعث حیرت ہیں (المختصر فی اخبار البشر، ج ۲، ص ۱۵۱) مزید مطالعہ کے لیے تاریخ فاطمیین مصر مؤلفہ ڈاکٹر زاہد علی ملاحظہ فرمائیں۔

۴۵ھ خلافت و سلطنت۔ ڈاکٹر امیر حسن صدیقی، ص ۱۱۰ (محمود نے حکم کا خط بغداد بھیج دیا تاکہ اسے منظر عام پر جلا دیا جائے اور فاطمی سفیر کو قتل کرا دیا)

۴۶ھ علاءالدین محمد خوارزم شاہ نے سرحد عراق سے ترکستان اور غزنہ سے سرحد ہند تک کے وسیع علاقہ پر اکیس سال تک حکومت کی۔ ۶۱۷ھ میں تاتاریوں سے شکست کھا کر بھاگا اور ماژندران کے قریب ایک جزیرہ میں کس میرسی کے عالم میں جان دی (المختصر فی اخبار البشر ج ۳، ص ۱۲۷)

۴۷ھ المختصر فی اخبار البشر ج ۳، ص ۱۱۸

۴۸ھ قم میں پیدا ہوا۔ بغداد میں نشو و نما پائی اور ۶۲۹ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ وہ امور مملکت کا ماہر، دفاتر کے اصول کا عالم، ادیب و راوی تھا۔ حضرت مقداد رضؓ بن اسود کندی کے خاندان سے اس کا تعلق تھا۔ وہ خلیفہ ناصر، ظاہر اور مستنصر کے عہد میں وزیر اعظم کے منصب پر فائز رہا (الفخری ص ۲۳۹ - ۲۴۱)

۴۹ھ ایضاً، ص ۱۱۰

۵۰ھ یوسف بن تاشفین ۴۶۲ھ میں مرابطین کا امیر ہوا۔ مغرب اقصیٰ اور اندلس کو مسخر کیا اور مراکش کا شہر آباد کر کے اسے اپنا دارالحکومت قرار دیا۔ وہ دوراندیش، دیندار، تجربہ کار اور سیاست دان تھا۔ اندلس کی زوال پذیر اسلامی حکومت کو اس نے نئی زندگی بخشی اور جنگ لزاقہ میں ۴۷۹ھ میں عیسائیوں کو شکست دے کر اندلس کے مسلمانوں کو ان کی چیرہ دستیوں سے نجات دلائی۔ ۴۸۴ھ میں اس نے اندلس کو اپنی حکومت میں شامل کر لیا جس پر اس کے بعد اس کے جانشینوں نے حکومت کی۔ یوسف نے ۳۸ سال حکومت کر کے ۵۰۰ھ میں وفات پائی۔ اسے خلیفہ مستظہر باللہ نے خلعت اور اجازت فرمانروائی دی (المختصر فی اخبار البشر ج ۲، ص ۱۸۵، ۱۹۸، ۲۰۰ و ۲۲۱)

۵۱ء مشہور ترک قبیلہ البری کے سردار کا بیٹا بچپن میں بھائیوں کی رقابت سے اسیر ہو کر بخارا میں فروخت ہوا۔ سلطان قطب الدین ایبک نے اسے خریدا۔ اپنی لیاقت سے ترقی کر کے منصب بلند پر پہنچا، اور بدایوں کا گورنر ہوا۔ ایبک کی وفات کے بعد ۶۰۷ھ میں دہلی کا سلطان ہوا۔ اس نے ۶۳۳ھ میں وفات پائی۔ برصغیر ہند و پاکستان میں اسلامی حکومت کا استحکام اس کی حسن تدبیر کا نتیجہ ہے (طبقات ناصری۔ قاضی منہاج الدین سراج۔ مطبوعہ کابل ۱۹۶۳ء ج اول، ص ۴۴۰ و ما بعد)

۵۲ء انتظام سلطنت دہلی (انگریزی) ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، ص ۲۷ و ۲۸۔ مطبوعہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی ۱۹۵۸ء (مستعصم باللہ کا نام سلطنت دہلی کے سکوں پر جلال الدین فیروز شاہ خلجی کے اخیر عہد تک کندہ کیا گیا۔

۵۳ء دشت قپچاق کا ترکمان بیبرس امیر ایدگین بندقداری صالحی کا غلام تھا۔ اسے آخری ایوبی حکمران مصر الملک الصالح ایوب نے لے لیا تھا۔ وہ اپنی لیاقت سے ترقی کے مدارج طے کر کے ایوبیوں کے مملوک امرا میں جلد خاصا اہم ہو گیا۔ قطز، حاکم مصر و شام کو ۶۵۸ھ میں قتل کر کے الملک الظاہر کے لقب سے سلطان مصر و شام ہوا۔ ۶۷۲ھ میں وفات پائی۔ اس نے بلاد نوبہ اور دیگر مقامات فتح کیے۔ مملوک سلاطین مصر میں اس کے عہد کو خاصا امتیاز حاصل ہے۔ (المختصر فی اخبار البشر ج ۴، ص ۱۰ و ۱۱) خلافت عباسیہ کا احیاء دمشق میں اسی نے کیا (ایضاً، ج ۳، ص ۲۱۳)

۵۴ء ابو الحسن علی بن محمد البصری، ماوردی ۳۶۴ھ میں پیدا ہوا اور ۴۵۰ھ میں بغداد میں وفات پائی۔ آل بویہ کے دور اقتدار میں بغداد کا شافعی المذہب قاضی رہا اور فقیہ و مصنف کی حیثیت سے بڑی شہرت پائی۔ اس کی اصل شہرت اس کی کتاب الاحکام السلطانیہ کی وجہ سے ہے جو اسلامی سیاسی افکار پر ہر دور میں قابل استناد کتاب سمجھی گئی ہے (البدایہ والنہایہ۔ ابن کثیر۔ ج ۱۲، ص ۸۰)

۵۵ء الاحکام السلطانیہ۔ ابو الحسن الماوردی۔ ص ۳۲۔ مطبوعہ مصطفیٰ بابی حلبی مصر ۱۳۸۶ھ

۵۶ء حجۃ الاسلام امام محمد بن محمد طوس میں ۴۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ نیشاپور اور دوسرے مقامات میں تحصیل علم کی۔ بغداد کے مدرسہ نظامیہ میں مسند درس پر متمکن ہوئے۔ ۴۸۸ھ میں درس و تدریس سے کنارہ کش ہو کر بیت المقدس اور مصر و شام کے سفر کیے اور ۵۰۵ھ میں وفات پائی۔ ان کی کثیر التعداد تصانیف میں احیاء علوم الدین سب سے ممتاز ہے (المختصر فی اخبار البشر ج ۲، ص ۲۲۵)

۵۷ مسلمانوں کے سیاسی افکار۔ رشید احمد۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ص ۱۴۵ ۵۸ شیخ الاسلام جلال الدین عبدالرحمن بالائی مصر کے مقام سیوط میں ۸۴۹ھ (۱۴۴۵ء) میں پیدا ہوئے اور جزیرہ روضہ میں ۹۱۱ھ (۱۵۰۵ء) میں وفات پائی۔ ان کی ذات عہد مملوکیہ کی علمی سرگرمیوں کا مثالیہ ہے۔ وہ مفسر، محدث، فقیہہ، فلسفی، مؤرخ، لغوی اور سوانح نگار تھے۔ انھوں نے پانچ سو کے قریب کتابیں تالیف کیں جن میں الاتقان فی علوم القرآن، تفسیر جلالین، تاریخ الخلفا، طبقات المفسرین، حسن المحاضرہ فی تاریخ المصر والقاہرہ مشہور ہیں (تاریخ ادبیات عرب (انگریزی) نکلسن۔ ص ۴۵۴ و ۴۵۵)۔ ۵۹ تاریخ الخلفا سیوطی (ترجمہ اردو) مطبوعہ کتب خانہ اشرفیہ، کراچی، ص ۴۴۴

۶۰ تاریخ التشریع الاسلامی۔ محمد الخضری، ص ۱۱۱ ۶۱ اسلامی اصول فقہ کی اصل (انگریزی)، جوزف شافت۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس ۱۹۵۰ء، ص ۱۰۲ و مابعد ۶۲ تاریخ التشریع الاسلامی، ص ۱۸۰ و مابعد

۶۳ نعمان بن ثابت امام اعظم ۸۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ میں بغداد میں وفات پائی۔ انھوں نے صحابہ کرام رض کو دیکھا اور ان سے حدیث روایت کی۔ وہ فقیہہ عراق اور اہل سنت کے چار اماموں میں سے پہلے امام ہیں (البدایہ والنہایہ ابن کثیر مطبوعہ سعادت مصر۔ ج ۱۰، ص ۱۰۷) ۶۴ ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۲ھ میں وفات پائی۔ امام اعظم کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ ان کے شاگردوں میں امام محمد اور امام احمد بن حنبل بھی شامل ہیں۔ وہ دنیائے اسلام کے پہلے قاضی القضاۃ تھے (البدایہ والنہایہ۔ ابن کثیر۔ ج ۱۰، ص ۱۸۰) ۶۵ مالک بن انس ۹۳ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے اور ۱۷۹ھ میں وفات پائی۔ وہ اہل سنت کے دوسرے امام ہیں۔ امام شافعی اور امام محمد ان کے مشہور شاگرد ہیں۔ وہ فقیہہ و محدث اہل حجاز اور امام دار الہجرت کہلاتے ہیں (البدایہ والنہایہ۔ ابن کثیر۔ ج ۱۰، ص ۱۷۴) ۶۶ محمد بن ادریس شافعی قرشی ۱۵۰ھ بمقام غزہ (فلسطین) پیدا ہوئے۔ ان کی وفات ۲۰۴ھ میں مصر میں ہوئی۔ انھوں نے امام مالک سے فقہ اہل حجاز اور امام محمد سے فقہ اہل عراق حاصل کی۔ وہ اہل سنت کے تیسرے امام ہیں (البدایہ والنہایہ۔ ابن کثیر۔ ج ۱۰، ص ۲۵۱) ۶۷ اہل سنت کے چوتھے امام احمد بن حنبل شیبانی ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے اور ان کا انتقال ۲۴۱ھ میں بغداد میں ہوا۔ وہ امام شافعی اور امام ابو یوسف کے شاگرد اور امام بخاری ان کے شاگرد ہیں۔ وہ اپنے عہد کے بہت بڑے محدث تھے۔ فتنۂ خلق قرآن میں مامون، معتصم اور واثق نے انھیں ۱۵ سال تک سخت سے سخت اذیتوں میں مبتلا رکھا مگر وہ اپنے موقف پر ثابت قدم رہے (البدایہ والنہایہ۔ ابن کثیر۔ ج ۱۰، ص ۳۲۵)

۶۸ داؤد بن علی اصفہانی ظاہری کوفہ میں ۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے اور بغداد میں انتقال کیا۔ وہ ظاہر حدیث پر عمل کرتے تھے اور قیاس کو جائز نہ سمجھتے تھے۔ ان کا فقہی مسلک پانچویں صدی ہجری تک باقی رہا۔

(تاریخ التشریع الاسلامی - محمد الخضری - مطبعہ استقامت مصر ۱۹۶۰ء - ص ۲۹۷) ۶۹ھ ابو جعفر محمد بن جریر طبری ۲۲۴ھ میں آمل میں پیدا ہوئے اور ۳۱۰ھ میں بغداد میں انتقال کیا۔ وہ بہت بڑے مفسر، مورخ، محدث اور فقیہہ و قاری تھے۔ ان کا فقہی مسلک پانچویں صدی ہجری کے نصف تک معمول بہ رہا بعد ازاں اس کا چلن ختم ہو گیا (تاریخ التشریع الاسلامی - محمد الخضری، ص ۲۷۱) ۷۰ھ مشہور اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کا پوتا عبدالرحمٰن ۱۱۳ھ میں پیدا ہوا۔ عباسیوں کے کارندوں سے بھاگ کر شمالی افریقہ ہوتا ہوا ۱۳۸ھ میں اندلس پہنچا اور وہاں اپنی آزاد حکومت قائم کی۔ اس نے ۱۷۱ھ میں وفات پائی مگر جو حکومت قائم کر گیا تھا وہ اس کے خاندان میں ۴۲۵ھ تک باقی رہی (تاریخ ابن خلدون (ترجمہ اردو) ج ۵، ص ۲۶۳ و ما بعد) ۷۱ھ حضرت حسنؓ بن علیؓ کے پڑپوتے ادریس اول نے عباسیوں کے خوف سے شمالی افریقہ میں پناہ لی اور مغرب اقصیٰ کے بربر قبائل کی مدد سے پہلی علوی حکومت قائم کی جو ۱۷۲ھ میں قائم ہوئی اور اس کے خاندان میں ۳۶۴ھ تک باقی رہی جب کہ انھوں نے بنی فاطمہ و بنی امیہ کی مخالفتوں میں امویوں کی حمایت کی اور اسی زمانہ میں اس کا خاتمہ ہو گیا۔ (تاریخ ابن خلدون (ترجمہ اردو) ج ۵، ص ۵۲ - ۶۳)

۷۲ھ تاریخ ادبیات عرب (انگریزی) نکلسن - ص ۴۴۶ و ۴۴۷

۷۳ھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رہبانیت اور ترکِ دنیا سے نہایت سختی کے ساتھ صحابہؓ کرامؓ کو منع فرمایا۔ ایک موقع پر ایک صحابی سے فرمایا: وعلیک بالجہاد فانہ رھبانیۃ الاسلام" (تم جہاد میں حصہ لو کہ اسلام کی رہبانیت جہاد ہے)، دوسرے موقع پر فرمایا: ان الرھبانیۃ لم تکتب علینا (رہبانیت ہم پر فرض نہیں کی گئی)، تیسرے موقع پر ارشاد فرمایا: انی لم اومر بالرھبانیۃ (مجھے ترکِ دنیا یعنی رہبانیت کا حکم نہیں دیا گیا (مسند احمد بن حنبل، ج ۳، ص ۸۲ و ۲۶۶ و ج ۶، ص ۲۲۶ و سنن دارمی کتاب نکاح، حدیث ۳)

۷۴ھ تشکیل جدید الٰہیات (خطبات اقبال)، ترجمہ سید نذیر نیازی - مطبوعہ بزم اقبال، لاہور ۱۹۵۸ء - ص ۲۳۱ و ما بعد)